شیخ حبیب الرحمن بٹالوی

مشاہدہ :

ابر نے دریا پر برسایا جو پانی کیا ہوا؟

کام سے فراغت کے بعد میں گھر جا رہا تھا۔ کہ راستے میں دیکھا ایک کوٹھی کی تقریب رونمائی عروج پر تھی خوبصورت سائبان لگے ہوئے تھے۔ پلاؤ زردہ کی لپٹوں کے ساتھ۔ پروفیشنل طلباء کی قرآن خوانی کی آوازیں باہر رہی تھیں۔ جھنڈیاں۔ قمقمے۔ انواع واقسام کے کھانوں کی ڈشیں اور چمکتے دمکتے برتنوں کی کھنک۔ پھولوں کے ہاروں کی مہک کے ساتھ۔ کلف لگی ہوئی شلوار قمیض میں ملبوس بہت سے مالی زادے آ جا رہے تھے۔ روڈ پر پجارو ٹربو اور مٹسوبشی جیسی کاروں کا ایک ہجوم تھا۔ کہ میرے جیسے سائیکل سواروں کا وہاں سے گزرنا مشکل ہو رہا تھا۔ اس کوٹھی کے عین سامنے ایک جھونپڑی نما کوارٹر کے قریب چاول چھولے والی ریڑھی کھڑی تھی۔ اس گرے پڑے خستہ کوارٹر جسکے ایک جانب پانی کھڑا تھا۔ کا کوئی دروازہ نہ تھا۔ ریڑھی والا نیچے نشیب میں اتر کر اس کوارٹر کی ٹوٹی ہوئی کھڑکی میں سے ایک شاپر کہ جس میں بمشکل دو روپے کے چاول چھولے ہوں گے کسی کو دے رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ :

میرے ادھر بھی آدمی ہیں اور ادھر بھی آدمی
ان کے جوتوں پر چمک ہے انکے چہروں پر نہیں

میں سوچ رہا تھا کہ قحط الرجال کے اس روز بازار میں اس کوٹھی نما خانہ شوم کا کوئی بھی بوم ایسا نہ تھا جو ایک پلیٹ چاول سامنے رہنے والے اس غریب و نادار ہمسائے کے گھر بھجوا دیتا کہ وہ غریب بھی ایک وقت پیٹ بھر کر اچھا کھانا کھا لیتا۔

اللہ کی شان ہے کہ ایک طرف تو پلاؤ زردہ کی دیگوں پر دیگیں اڑائی جا رہی تھیں۔ اور دوسری طرف کا باسی۔ باسی نان جویں کو ترس رہا تھا۔ وہ صرف دو روپے کے چاول چھولے سے اپنے پیٹ کی آگ بجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور زبان حال سے یوں گویا تھا۔

اے شب مفلسی مجھے یہ تو بتا مجھ سے ناراض ہو کر گئی تھی کہاں
کس کے آنگن میں تو نے اتاری تھکن کس کے غربت کدے میں بسیرا کیے

اللہ بے نیاز ہے۔ "ایک کو بھیک مانگے نہیں ملتی دوسرے کو مرغن غذا کھاتے کھاتے دست لگتے ہیں۔ ایک کے تن پر ریشم زیب دیتا ہے دوسرے کو جامہ ہستی میں رہنا مشکل ہے۔ کوئی امیر ہے کوئی فقیر۔ کوئی شاہ بے پرواہ ہے۔ کوئی گدائے بے نوا۔ اگر امیر و غریب۔ شاہ و گدا سب ابن آدم ہیں۔ تو امراء اور شاہ نے ترکہ کہاں سے پایا؟ ظاہر ہے کہ دوسروں کا حق دبایا"۔ اور ان ہی لوگوں کے بارے میں "عروۃ" نے بہت سچی بات کہی

ہے کہ "تم موٹے ہو تو اس لئے کہ تم حق داروں کا حق مارتے اور غریبوں کا خون چوستے ہو اور میں خود بھوکا رہ کر دوسروں کے پیٹ بھرتا ہوں۔ میں اپنے جسم کے ٹکڑے کئی جسموں میں بانٹ دیتا ہوں۔ (یعنی اپنا حصہ دوسروں کو دے دیا کرتا ہوں) اور خود بچے ہوئے شوربے یا تلچھٹ سے اپنے پیٹ کی آگ بجھاتا ہوں۔"

یہاں مجھے احسان دانش کی وہ نظم یاد آ رہی ہے۔ جو انہوں نے ایک دعوت نامے کے جواب میں کہی تھی۔ قارئین کے لئے یہاں اس کا تذکرہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ ٹی وی اور پبلک سٹیج پر معاشرتی ناہمواری کا رونا رونے والے، ہمسائے کے حقوق پر پُرجوش لیکچر دینے والے اور حق داروں کا حق مار کر۔ حقوق انسانیت کا ڈھنڈورا پیٹنے والے دو چہروں کے مالک اور خطرناک ترین منافقوں کے لئے یہ نظم ایک تازیانے کی حیثیت رکھتی ہے:

اے حسن یحییٰ! مبارک ہو تجھے شادی مگر
مجھکو عصرانہ میں بلوا کر نہ دل رنجور کر
تُونے دعوت نامے بھجوائے ہیں جن لوگوں کے نام
تیری نظروں میں ہے جن جن ہستیوں کا احترام
کون سا مفلس ہے ان میں کون سا مسکین ہے!
یہ تیرے گھر پہ نہ آئیں گے تو کیا توہین ہے؟
دم گھٹا جاتا ہے ظالم مستقل اک ضیق ہے
ہم تو اپنے گھر بھی کھا لیتے ہیں جو توفیق ہے
اُن کو دعوت دے جنہیں ملتا نہیں غم سے فراغ
جن کی شاموں کو میسر آ نہیں سکتے چراغ
اُن کو دعوت دے جو بیچارے ہیں فاقوں سے نڈھال
جن کی نبضوں میں نہیں اٹھتا حرارت کا سوال
ان کو دعوت دے جو جی کر شاداں ہوتے نہیں
جن کے بچے بھوک سے روتے ہیں اور سوتے نہیں
اُن کو دعوت دے فلک نے جن پہ ڈھائے ہیں ستم
جن کا مہمانوں کی صورت دیکھ کر رُکتا ہے دم
اُن کو دعوت دے جو ہیں خاموش بھی مغموم بھی
بھول بیٹھے ہیں جو اطمینان کا مفہوم بھی
شادمانوں میں جو بانٹی شادمانی کیا ہوا؟
ابر نے دریا پہ برسایا جو پانی کیا ہوا؟
پھول گلشن میں بہاروں نے جو برسائے تو کیا؟
بے ضرورت شام کو بڑھنے لگے سائے تو کیا؟
کوہساروں میں ہوائے سرد چلتی ہے تو کیا؟
گھر کلالوں کے شراب ناب ڈھلتی ہے تو کیا؟
قوتوں نے قوتوں کی دستگیری کی تو کیا؟
اپنے حلقے میں امیروں نے امیری کی تو کیا؟
اہل زر سے اہل زر کا ساز ہے ہوتا رہے
ناز کے پالوں میں شغل ناز ہے ہوتا رہے
میں تو اس مذہب کا قائل ہوں نہ اس ایمان کا
جس میں عنصر ہو نہ غالب خدمتِ انسان کا
ماہ و انجم ہیں زمیں کو جگمگانے کے لئے
رُلتے ہیں پستیوں میں کام آنے کے لئے

فدائے احرار، عظیم مجاہد آزادی
مولانا محمد گل شیر شہید
مؤلف: محمد عمر فاروق : قیمت /۱۵۰ روپے

صاحب طرز ادیب، مفکر احرار
چودھری افضل حق رحمہ اللہ کی
نایاب اور اہم کتاب "شعور"
قیمت — ۳۵ روپے

بارہ کروڑ پاکستانی عوام سوال کرتے ہیں؟

O کیا ملک میں حالیہ بد نظمی- منافرت- افراتفری- خوف و ہراس جمہوریت کی اساس ہیں یا لوازمات؟

O کیا پاک فوج کی مداخلت ملک کے سیاسی نظم و نسق میں عدم تحفظ و عدم استحکام کی آئینہ دار نہیں؟

O کیا حالیہ سیاسی تفرقہ بازی، کشیدگی اور منافرت کا انجام جگ ہنسائی اور پھر خانہ جنگی کا پیش خیمہ نہیں ہے؟

O آئندہ مجوزہ انتخابات کے نتائج کون قبول کرے؟ گا حسب سابق "دھاندلی" اور "میں نہ مانوں" میں نئے مسائل پیدا نہ ہوں گے؟

O آخر ہم یہ "جمہوری تماشا" کب تک دیکھتے رہیں گے؟ پاکستان کی بینتالیس سالہ تاریخ کے سیاہ اوراق جمہوریت کی ناکامی کا مرثیہ نہیں ہیں؟

O کیا مفاد پرست، شکست خوردہ، لاوارث اور بیرونی ایجنٹ سیاست دانوں نے اپنے عمل سے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ وہ نہ صرف حکومتی امور چلانے میں نااہل ہیں بلکہ وطن سے بھی مخلص نہیں۔

O کیا آئندہ انتخابات میں امن و امان کی ضمانت دی جا سکتی ہے؟

O کیا اندرونی اور بیرونی خطرات کے اندیشے اور ان کا سد باب پاک فوج کی ذمہ داری نہیں ہے؟

O کیا کسی بھی سیاسی اتحاد، سابق یا برسرِ اقتدار حکمرانوں کے مقاصد و منشور میں "نفاذِ اسلام" کا نکتہ شامل ہے؟

O جب شریعت قبول نہیں تو امن کی تلاش بے کار ہے اور مارشل لاء کو بطور تازیانہ عبرت ضرور آنا پڑے گا- جی ہاں!

O اندریں حالات مسلمان شریعت کی بالادستی کا مطالبہ کرتے ہیں- زخموں سے چور "ممتوعہ جمہوریت" اور اس کے ہوس پرست "عارضی خصموں" میں ہرگز ہرگز حکومت سنبھالنے اور چلانے کی سکت نہیں البتہ کوئی طاقتور انقلاب ہی ملک کی موجودہ صورت حال کنٹرول کر سکتا ہے- اور وہ صرف اور صرف دینی انقلاب ہے- دینی قوتوں کا اتحاد ہے- لیکن-

جب میں کہتا ہوں مرے اللہ میرا حال دیکھ
حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامۂ اعمال دیکھ

(غمزدہ عبدالواحد بیگ الرحوم پینٹرز تھلہ سادات ملتان)